ڈاکٹر اسلم فرخی

پیدائش: ۱۹۲۳ء

وفات: ۲۰۱۶ء

تصانیف: بچوں کے ڈپٹی نذیر احمد، مولانا حسرت موہانی، گل دستۂ احباب

چمنے کہ تا قیامت....[1]

حاصلاتِ تعلّم: اس سبق کی تدریس کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ: ۱- نسبتاً اعلیٰ استحسانی اور تنقیدی گفتگو سن کر اپنی رائے قائم کر سکیں۔ ۲- کسی ادارے میں منتخب ہونے کے لیے مستقبل سازی پر مبنی سوالات کا جواب دے سکیں۔ ۳- روزمرّہ معاملاتِ زندگی کے حوالے سے مختلف قسم کی رسیدیں لکھ سکیں۔ (رسیدِ کرایہ، رسیدِ خرید و فروخت وغیرہ)

۱۹۵۰ء میں مجھے شوق ہوا کہ اردو میں بھی ایم-اے کیا جائے۔ اس زمانے میں ایم-اے کی تدریس کالجوں میں ہوتی تھی۔ یونی ورسٹی میں کوئی انتظام نہیں تھا۔ اردو کالج کا شعبۂ اردو اساتذہ کے اعتبار سے بڑا شان دار تھا۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب صدرِ شعبہ تھے۔ میں نے ایک ایسے دوست سے جو ڈاکٹر صاحب کے ہم وطن اور موصوف کے ایک کرم فرما کے صاحب زادے تھے، خواہش ظاہر کی کہ مجھے موصوف سے ملا دیں۔ چناں چہ ایک شام ہم دونوں اردو کالج گئے۔ پھاٹک ہی میں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی: لمبا قد لیکن بر بنائے انکسار خم، دُہرا بدن کہ طلبِ علم و ریاضت میں خستگی سے محفوظ رہے۔ گول چہرہ دائرۂ شریعت کی حدود کا ترجمان، آنکھوں میں شرم و حیا اور معرفت کی قندیلیں روشن۔ "سِیْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ"[2] رعونت کی سرکوبی کے لیے تُرکی ٹوپی سے مزیّن سر پر حلق کے آثار۔ محاسن میں پاکیزگی کا حُسن، گندمی رنگ میں طمانیت کی جھلک، معمولی سوتی شیروانی، علی گڑھ کٹ پاجامہ، پاؤں میں سادہ سی گرگابی، میرے دوست انھیں دیکھ کر ٹھہر گئے۔ ادب سے سلام کیا۔ مجھ سے کہا "ڈاکٹر صاحب سے ملو"۔ یہاں اوپر کی سانس اوپر اور نیچے کی سانس نیچے کہ تعلق ان دنوں ریڈیو سے تھا، جس کے گلیمر کا چرچا کچھ زیادہ ہی تھا۔ تو یہ ہیں ڈاکٹر صاحب، خیر چلو یوں ہی سہی، کچھ دنوں درویشوں کی صحبت ہی میں سہی، ممکن ہے تم بھی فیضانِ نظر سے راہِ راست پر آجاؤ ورنہ ایسے بگڑے کہیں سنبھلتے ہیں!

---

۱ چمنے کہ تا قیامت گل او بہ بار بادا (ترجمہ: آپ ایک چمن ہیں کہ تا قیامت اس میں پھول اور بہار رہے) (مولانا جلال الدین رومیؒ)

۲ ترجمہ: "سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں۔" (سورۃ الفتح: ۲۹)

کلاس شروع ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے لسانیات کا پرچہ شروع کیا۔ نیا مضمون، مشکل اور اَدَق مگر پہلے ہی دن یہ اندازہ ہو گیا کہ ڈاکٹر صاحب اس جدید علم پر مکمل عبور رکھتے ہیں۔ احمد ہمدانی، سید کریم الدین، اکبر کاظمی ہم درس تھے۔ سب ڈاکٹر صاحب کے تبحرِ علمی سے مسحور ہو گئے۔ پھر جب ڈاکٹر صاحب نے مومن کا ایک قصیدہ شروع کیا تو اپنی سطحی لیاقت کا بھرم بھی کھُل گیا۔ بڑا ناز تھا کہ فارسی پر بڑا عبور ہے اور ''اردو تو خانہ زاد مرے آشیاں کی ہے'' مگر وہ نعتیہ قصیدہ:

زبانِ لال کہاں اور مدیحِ تاجِ خُروس
گرا ہے خاک پہ کیا تاجِ افسرِ کاؤس

ڈاکٹر صاحب نے پڑھا تو معلوم ہوا کہ لیاقت کسے کہتے ہیں اور علم کس چڑیا کا نام ہے۔ عافیت اسی میں نظر آئی کہ بڑ بڑ کرنے کے بہ جائے کلاس میں خاموش بیٹھو۔ زیادہ سے زیادہ استفادے کی کوشش کرتے رہو۔ ادھر دُور رہنے میں عافیت کے آثار، اُدھر ڈاکٹر صاحب کے لُطف و کرم کی یہ ارزانی کہ کلاس کے بعد روزانہ چائے نوشی اور علمی گفتگو۔

مجھے ڈاکٹر صاحب کی شخصیت اتنی دل پذیر معلوم ہوئی کہ میں نے برادرم وَجد چغتائی کو جو اسلامیہ کالج میں ایم-اے فائنل کے طالب علم اور ریڈیو میں میرے ساتھی تھے، اردو کالج گھسیٹ لیا۔ ہم دونوں ایک دن ہمت کر کے ڈاکٹر صاحب کے دولت کدے پر بھی پہنچ گئے۔ معلوم ہوا صوفی صاحب کے یہاں گئے ہیں۔ تین چار دفعہ یہی اتفاق ہوا۔ چغتائی ان دنوں جہانگیر روڈ پر رہتے تھے۔ اکثر اطلاع دیتے: ڈاکٹر صاحب سائیکل پر چلے جا رہے تھے۔ آخر کار ایک دن ملاقات ہو گئی۔ یہاں ڈاکٹر صاحب بالکل بزرگِ خاندان کی حیثیت سے پیش آئے۔ چائے تو خیر معمولی بات ہے، شام کو بہت کم ایسا ہوا کہ ہم لوگ بغیر کھانا کھائے واپس آئے ہوں۔ کوئی تکلف نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے خود ہی دستر خوان بچھایا۔ سالن، روٹی، دال، سبزی لائے، سب نے بڑے سکون سے سیر ہو کر کھایا۔ مگر ڈاکٹر صاحب اپنے لیے قلتِ طعام کے قائل ہیں۔ خود کم کھاتے ہیں، دوسروں کی تواضع زیادہ کرتے ہیں۔ ہمارے ساتھ بھی یہی ہوتا تھا کہ ڈاکٹر صاحب ہر چیز ہماری طرف بڑھا رہے ہیں اور اصرار کر رہے ہیں۔ ایک شام میں حاضر ہوا۔ ڈاکٹر صاحب تنہا تھے۔ تھوڑی دیر کے لیے اندر گئے، پھر چائے کی دو پیالیاں لیے ہوئے باہر تشریف لائے۔ میں نے دریافت کیا کہ اُستانی اور ہاجرہ تو ہیں نہیں، چائے کیسے بن گئی؟ ارشاد ہوا: میں نے بنائی ہے۔ میں حیرت سے ڈاکٹر صاحب کو دیکھتا رہ گیا۔ ایک ادنیٰ شاگرد کے لیے یہ اِہتمام۔

کالج میں ڈاکٹر صاحب شفیق اور ہنس مکھ استاد کی حیثیت رکھتے تھے۔ زہد و ورع اور تقویٰ اپنی جگہ مگر طلبہ اور اساتذہ کے کرکٹ میچ میں لڑکوں نے ڈاکٹر صاحب کے پیروں میں پیڈ بھی باندھے اور ڈاکٹر صاحب نے ہنسی خوشی کریز میں کھڑے ہو کر بلا گھمایا۔

ایک بار سندھ کے کسی کالج کے ایک استاد مجھ سے ملنے آئے، کچھ تحقیقی کام کر رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کا حوالہ دیا، چند کتابیں درکار تھیں۔ میں نے خوشی خوشی کتابیں ان کے حوالے کر دیں۔ بہت دن گزر گئے کتابیں واپس نہ پہنچیں۔ ایک دفعہ ڈاکٹر صاحب سے ذکر کیا کہ بہت دن ہوئے فلاں صاحب آپ کے حوالے سے کچھ کتابیں لے گئے تھے۔ فرمایا میں انھیں

جانتا نہیں ہوں، تاہم اگر میرے حوالے سے کسی کا بھلا ہو جائے تو کیا مضایقہ ہے! پھر کہا: بہ مقدور ہر شخص کی مدد کرنا چاہیے۔ آپ جس کی مدد کریں گے ممکن ہے کہ وہ آیندہ کسی اور کی مدد کرے اور سلسلہ جاری رہے۔

ڈاکٹر صاحب اپنے بزرگوں کا غیر معمولی احترام کرتے ہیں۔ والدہ جب تک حیات رہیں انھیں کے ساتھ رہیں، بڑی خدمت کرتے تھے ڈاکٹر صاحب۔ ڈاکٹر صاحب کے برادر بزرگ مزاج کے خاصے کڑوے تھے، مگر ڈاکٹر صاحب ان کا اتنا احترام کرتے تھے کہ حیرت ہوتی تھی۔ میں نے دونوں بھائیوں کو یک جا دیکھا ہے۔ ڈاکٹر صاحب ہیں کہ بچھے جارہے ہیں، بھائی صاحب ہیں کہ اپنی جگہ چھوٹے بھائی کی عظمت کو سمجھ رہے ہیں مگر خاموش ہیں۔

خندہ جبینی بزرگوں کا شِعار ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے یہاں خندہ جبینی بھی ہے اور حسِ مزاح کا لطیف اظہار بھی۔ ایک دوست کی بہن کے لیے سندھ یونی ورسٹی کے ایک استاد کا رشتہ آیا۔ رقعے کے مطابق وہ صاحب پروفیسر بھی تھے اور ڈاکٹر بھی۔ دوست نے مجھ سے معلومات کے لیے کہا۔ یہاں مُلّا کی دوڑ مسجد تک، ڈاکٹر صاحب کو خط لکھ دیا۔ تیسرے دن جواب آیا ''میری دعا ہے اللہ تعالیٰ ان صاحب کو پی-ایچ-ڈی بھی کرادے، پروفیسر بھی بنوادے اور دوسری شادی بھی انھیں راس آئے۔'' کیا لطیف پیرایہ ہے، ہنسی ہنسی میں سب کچھ ہے۔ کوئی شدّت، طنز یا دُرشتی نہیں۔

یہ امر بھی قابل غور ہے کہ ڈاکٹر صاحب جس موضوع سے واقف نہیں یا جس موضوع سے انھیں دل چسپی نہیں، اُس کے بارے میں کبھی گفتگو نہیں کرتے۔ صاف کہہ دیتے ہیں: ''بھائی! میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا۔'' افسانوی ادب کے بارے میں جب بھی بات چِھڑی، ڈاکٹر صاحب نے فرمایا: ''میرا یہ میدان نہیں، بہتر ہے آپ کسی اور سے رہ نمائی حاصل کرلیجیے۔'' بہ ظاہر یہ بات بہت عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ہم تو بہ زعم خویش ہمہ دانی اور ہمہ اوست کے نظریے پر عامل ہیں مگر ڈاکٹر صاحب ہیں کہ ہمہ از وست کہہ کر دامن بچا لیتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کا لباس ہمیشہ سادہ رہا۔ سادہ شیر وانی، سفید کرتا یا قمیص، لَٹّھے کا پاجامہ، شیر وانی کے کپڑے میں کوئی اہتمام نہیں۔ مدّتوں ترکی ٹوپی پہنی، اب کپڑے کی ٹوپی پہنتے ہیں۔ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتے ہیں، دوسروں کو زحمت نہیں دیتے۔ ایک دن دوپہر کو میرے یہاں قدم رنجہ فرمایا، پسینے میں شرابور ہو رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد غسل خانے تشریف لے گئے۔ کچھ دیر کے بعد میں غسل خانے میں گیا تو دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب نے بنیان دھو کر لٹکا دی ہے۔ میں نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا: آپ نے کیوں زحمت فرمائی، خدمت کے لیے ہم لوگ موجود ہیں۔ ارشاد ہوا: اپنا کام خود کرنا چاہیے، دوسروں کو زحمت دینا اچھا نہیں لگتا۔ ڈاکٹر صاحب کی سادگی اور انکساری کی کیفیت تو یہ ہے کہ ایک دفعہ میں نے ان کے لیے رکشا روکا۔ آپ نے سفید داڑھی والے معمر رکشا ڈرائیور کو دیکھا تو فرمایا: ''دین دار آدمی معلوم ہوتا ہے'' اور بڑھ کر اُسے سلام کیا۔ ڈاکٹر صاحب ہمیشہ سلام میں سبقت فرماتے تھے۔ بہ ظاہر یہ چھوٹی سی بات ہے مگر اسی چھوٹی سی بات سے انسان کے کردار اور مزاج کا اندازہ ہوتا ہے۔

(ماخوذاز: گل دستۂ احباب)

مشق

سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) اس سبق میں کس شخصیت کا ذکر کیا گیا ہے؟

(ب) ڈاکٹر صاحب کا حلیہ اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

(ج) ڈاکٹر صاحب کا طریقۂ تدریس کس طرح کا تھا؟ مفصل تحریر کیجیے۔

(د) ڈاکٹر صاحب کی سخاوت کا کوئی ایک واقعہ تحریر کیجیے۔

(ہ) ڈاکٹر صاحب نے خط کا جواب کس انداز میں دیا؟

سوال ۲: اس سبق کا خلاصہ تحریر کیجیے۔

سوال ۳: درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

۱- اسلامیہ کالج سے اردو کالج میں داخلہ ہوا:

(الف) وجد چغتائی کا (ب) ڈاکٹر غلام مصطفی خاں کا

(ج) اُستانی ہاجرہ کا (د) ارم لکھنوی کا

۲- زہد وورع کا مطلب ہے:

(الف) علم و عمل (ب) پرہیز گاری اور اللہ کا خوف

(ج) علم و یقین (د) تقویٰ و عبادت

۳- مصنف مضمون، ڈاکٹر غلام مصطفٰی صاحب سے متاثر ہوئے:

(الف) طلبہ پر لطف و کرم سے (ب) سادگی سے (ج) گھر پر مہمان نوازی سے (د) علم و تدریس سے

۴- "بھرم کھلنا" ہے:

(الف) ضرب المثل (ب) محاورہ (ج) کہاوت (د) روزمرہ

۵- ''ہمہ اُوست'' اور ''ہمہ از اُوست'' سے مراد ہے:

(الف) اپنی علمیت کا رعب جھاڑنا (ب) فارسی زبان دانی کا اظہار کرنا

(ج) اپنی انکساری و عاجزی کا اظہار کرنا

(د) حضرت مجدد الف ثانی اور ابن عربی کے تخلیق و وجود کائنات کے فلسفے

سوال ۴: درج ذیل الفاظ اور تراکیب جملوں میں استعمال کیجیے:

فیضانِ نظر - مسحور - سیر ہونا - قلتِ طعام - خندہ جبینی

☆ رسید کسی چیز یا رقم وغیرہ کی وصولیاتی کی باضابطہ تحریر کو کہتے ہیں جس میں رقم وصول پانے والے کے دستخط ہوں۔ ذیل میں نمونے کے طور پر ایک رسید لکھی جاتی ہے۔

روپے وصول کرنے کی رسید:

باعث تحریر آنکہ

مبلغ ایک لاکھ روپے نصف جس کے پچاس ہزار ہوتے ہیں ازاں محمد احمد ولد خورشید احمد ساکن کورنگی، کراچی بابت قیمت موٹر سائیکل وصول پا کر رسید لکھ دی تاکہ سند رہے اور بہ وقت ضرورت کام آئے۔

محررہ ۲۳ مارچ ۲۰۲۳ء

العبد

محمد انور

رہائش ناظم آباد، کراچی

(دستخط)

گواہان

(۱) عبداللہ شفیع ولد افتخار شفیع ساکن ناظم آباد، کراچی

(دستخط)

(۲) مبین احمد ولد رشید احمد ساکن ناظم آباد، کراچی

(دستخط)

سوال ۵: مکان کی قیمت وصول کرنے کی رسید تحریر کیجیے۔

سرگرمیاں

۱- طلبہ اس سبق کے انتخاب کے بارے میں اپنی رائے تحریر کریں گے۔

۲- اپنی پسندیدہ شخصیت سے انٹرویو کے لیے ایک سوال نامہ بنائیں گے۔

۳- استاد کی رہ نمائی میں طلبہ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو کر "مستقبل کی کام یابی کا راز" پر مبنی مباحثہ کریں گے تاکہ آیندہ ملازمت کے عرصے میں انھیں کام یابی حاصل ہو سکے۔

برائے اساتذہ

۱- شخصیت کے انتخاب میں طلبہ کی مدد کیجیے۔

۲- طلبہ کو اس سبق کی خوبیوں کے بارے میں بتائیے۔